معیار: علمی و تحقیقی مجلّہ، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، جلد:۱، شمارہ:۲ جولائی-دسمبر ۲۰۰۹ء

اُردو کی ابتدائی لغات اور نصاب نامے

رؤف پاریکھ*

اس مقالے میں ہم کوشش کریں گے کہ اردو لغت نویسی کے ابتدائی دور میں لکھی گئی ان دولسانی یا کثیر لسانی لغات اور منظوم تصانیف کا جائزہ لیں جو تدریسی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں۔ ہم ان اثرات و نتائج کا جائزہ بھی لیں گے جو ان لغات نے اردو کی ابتدائی لغت نویسی پر اور بعد کے دور میں لکھی جانے والی لغات پر مرتب کیے۔

۱۔ لغت نویسی کے محرکات:

لغت نویسی کی ضرورت بالعموم دو صورتوں میں ہوتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دو مختلف زبانیں بولنے والے افراد یا اقوام جب باہم ملتی ہیں اور ان میں سماجی، سیاسی، تجارتی اور مذہبی روابط قائم ہوتے ہیں تو کوشش کی جاتی ہے کہ اجنبی زبان کے الفاظ سیکھے جائیں اور جیسے جیسے یہ روابط گہرے ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے دوسری زبان کا ذخیرۂ الفاظ بڑھتا جاتا ہے [۱] اور اس کے الفاظ و معنی کی فہرست یا فرہنگ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک قوم کا ادب ارتقا کے مراحل طے کرتا رہتا ہے۔ اس قوم کی زبان ارتقا کے ساتھ ساتھ تغیر و تبدل سے بھی آشنا ہوتی رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کا ذخیرۂ الفاظ پرانے ادبی سرمائے سے خاصا مختلف ہو جاتا ہے جسے سمجھنے کے لیے قدیم الفاظ کے معنی جاننے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح الفاظ و محاورات کے صحیح معنی اور درست محلِ استعمال کے دریافت کی ضرورت پیش آتی ہے اور اہلِ قلم اپنی زبان کے مستند ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں [۲]۔ ایسی صورتوں میں کوئی مستند اور معتبر لغت ہی وہ ذریعہ ہوتا ہے جو صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں لغت نویسی کی ابتدا کے محرکات مختلف ہونے کے باوجود بڑی حد تک ان دو ضرورتوں کے تابع رہے ہیں۔ مثلاً سنسکرت اور یونانی زبانوں میں لغت نویسی کی ابتدا کا محرک ان زبانوں کا کلاسیکی ادب تھا [۳]۔ یونانیوں کے زوال کے بعد رومیوں کے عروج نے لاطینی زبان کے فروغ اور اس میں لغت نویسی کی ابتدا کے لیے محرک کا کام کیا [۴]۔ لیکن لاطینی لغت نویسی کی ابتدا عملاً ان ثقیل اور نامانوس الفاظ کی فہرست سازی کی صورت میں ہوئی جو لاطینی زبان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے ان کتابوں کے حاشیوں پر درج کر کے ان کا مفہوم آسان لاطینی یا کسی اور زبان میں لکھ لیتے تھے [۵]۔ ان فہرستوں کو گلوس (gloss) کہتے تھے جس کے

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی۔

معنی ہیں الفاظ کی فہرست، چنانچہ گلوسری (glossary) (بمعنی فرہنگِ الفاظ) کا لفظ اسی سے مشتق ہے[۶]۔

عربی لغت نویسی کا محرک طلوعِ اسلام کے بعد قرآن کریم تھا جس کے الفاظ اور معنی کی وضاحت کے لیے اہلِ علم سے رجوع کیا جاتا تھا چنانچہ تفسیر کی کتابوں میں حضرت ابنِ عباس سے سینکڑوں الفاظ کا مفہوم روایت کیا گیا ہے[۷]۔ قرآن اور حدیث کی زبان کو لغت کے علاوہ نحو کے لحاظ سے بھی سند مانا گیا[۸]۔

انگریزی لغت نویسی کا آغاز بھی لاطینی کی طرز پر حاشیہ نگاری سے ہوا۔ یہ حاشیائی لغات (glossaries) انجیل کے اصل ماخذات یعنی عبرانی، یونانی، لاطینی اور سریانی وغیرہ تک پہنچنے اور انھیں سمجھنے کی کوششیں تھیں جو انگریزی کی دولسانی لغات کی بنیاد ثابت ہوئیں[۹]۔ سولھویں صدی کے اختتام سے قبل تک کسی کو یہ خیال تک نہ تھا کہ انگریزی زبان کی کوئی ایسی لغت لکھی جائے جس سے اہلِ زبان یعنی انگلستان کے باشندوں کو اپنی زبان سمجھنے میں مدد ملے چنانچہ ۱۶۰۰ء تک انگریزی میں جتنی لغات لکھی گئیں ان سب کا مقصد طلبہ کو غیر زبانوں یعنی لاطینی، فرانسیسی، اطالوی اور ہسپانوی سیکھنے میں مدد دینا تھا[۱۰]۔ اسی لیے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اردو کی ابتدائی لغت نویسی، جو منظوم تھی، کا مقصد طلبہ کو عربی اور فارسی الفاظ سکھنے میں مدد دینا تھا (اس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں) تو ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

فارسی لغت نویسی کا محرک لسانی رابطے کے علاوہ ادب بھی تھا۔ دوسری صدی ہجری میں فارسی شاعری کے آغاز کے بعد تیسری صدی ہجری میں سب سے پہلے اہلِ توران نے شعر کے مخصوص لفظوں کی فرہنگ کی ضرورت محسوس کی[۱۱]۔ ابتدا میں تورانی شعرا کے علاوہ خراسانی شعرا بھی بکثرت موجود تھے اور ان کے مخصوص شعری لفظوں کا تورانیوں کے ہاں کوئی مفہوم نہ تھا جبکہ تورانی دو زبانیں بولتے تھے جن میں دوسری ترکی تھی۔ اس لیے فارسی اور ترکی کے لفظوں میں امتیاز کے لیے بھی لغت ضروری تھی[۱۲]۔ چنانچہ سب سے پہلے ابوحفص سغدی نے ایک فارسی لغت ترتیب دی جس کا اب کوئی نسخہ دنیا کے کسی کتب خانے میں موجود نہیں اگرچہ ''فرہنگِ جہانگیری'' کے مولف نے اسے اپنا ماخذ قرار دیا ہے[۱۳]۔

پانچویں صدی ہجری میں فارسی میں تالیف ہونے والی ''لغت فرس'' کے لکھے جانے کا محرک بھی یہی جذبہ تھا کہ آذربائی جان کے لوگوں کو تورانی اور خراسانی الفاظ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا[۱۴]۔

۲۔ اردو لغت نویسی کے ابتدائی نقوش: فارسی لغات میں اردو الفاظ:

اردو میں لغت نویسی کے اولین نقوش با قاعدہ لغت نویسی سے بہت پہلے ملتے ہیں۔ اردو کی پہلی باقاعدہ لغت ''غرائب اللغات'' کو مانا گیا ہے لیکن ''غرائب اللغات'' ایک لحاظ سے اردو لغت نویسی کے تیسرے مرحلے کا آغاز تھا اور اگر اس سے قبل کے دور میں اردو لغت نویسی کے آثار تلاش کیے جائیں تو اردو کے ان الفاظ اور محاورات کو اردو لغت نویسی کے اولین نقوش اور پہلا مرحلہ ماننا پڑے گا جو اپنی اصل شکل میں یا ذرا مختلف شکل میں برعظیم پاک و ہند میں لکھی جانے والی فارسی کتابوں اور فارسی لغات میں شامل ہو رہے تھے۔ بلکہ نجیب اشرف ندوی کا کہنا ہے کہ اردو لغت نویسی کی بنیاد اس سے بھی پہلے عرب اور ایران کے ان لوگوں نے رکھی جنھوں نے عربی اور فارسی میں لکھی گئی اپنی کتابوں میں برعظیم کی زبانوں کے الفاظ استعمال کیے[۱۵]۔ سید عبداللہ نے بھی قدیم عربی تصانیف میں موجود مقامی زبانوں کے

الفاظ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[16]۔ لیکن صحیح معنوں میں اردو لغت نویسی کا پہلا دور وہی ہے جب برعظیم میں لکھی جانے والی فارسی کتابوں اور فارسی لغات میں مقامی زبانوں کے الفاظ شامل ہونے لگے[17]۔ حافظ محمود شیرانی کے بقول برعظیم میں فارسی تصنیفات محمود غزنوی (۹۹۸ء۔۱۰۳۰ء) کے دور سے ملتی ہیں۔ اس کے بعد کے ادوار کے مصنفین بالخصوص فرہنگ نویسوں کے ہاں اس مقامی زبان کے الفاظ و محاورات کی معتد بہ تعداد ملتی ہے جسے ہم اب اردو کے نام سے جانتے ہیں[18]۔

آٹھویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری (لگ بھگ چودھویں صدی عیسوی سے سولھویں صدی عیسوی) تک برعظیم پاک و ہند میں فارسی کی کئی مشہور لغات لکھی گئیں۔ برعظیم میں فارسی فرہنگ نویسی کا آغاز علاءالدین خلجی (۶۹۵ھ۔۷۱۵ھ) کے دور سے ہوا اور اس دور کے مشہور شاعر مولانا فخر الدین مبارک شاہ غزنوی عرف کمان گر یا قواس نے ''فرہنگ نامہ'' کے ذریعے اس فن کی بنیاد رکھی جس کے پانچ حصے ہیں اور ہر حصہ ''بخش'' کہلاتا ہے[19]۔ یہ فرہنگ اسی دور میں لکھی گئی ہوگی اور یہ برعظیم میں لکھی گئی فارسی فرہنگوں میں سب سے قدیم ہے[20]۔ یہ ''فخر نامۂ قواس'' اور ''فرہنگِ قواس'' کے نام سے بھی معروف ہے اور اسدی (متوفی ۴۶۵ھ) کی ''لغتِ فرس'' کے بعد یہی دست یاب ہے[21]۔

''فرہنگِ قواس'' کے بعد ''دستور الا فاضل'' کا ذکر آتا ہے۔ یہ محمد بن تغلق (۷۲۵ھ۔۷۵۲ھ) کے دور میں مولانا رفیع دہلوی عرف حاجب خیرات نے تالیف کی[22]۔ ''دستور الا فاضل'' کا سن تالیف ۷۴۳ھ ہے[23]۔ ''فرہنگ قواس'' اور ''دستور الا فاضل'' کے بعد برعظیم پاک و ہند میں تالیف کی گئی جن فارسی لغات کا ذکر بالعموم ملتا ہے وہ یہ ہیں:

''ادات الفضلاء'' (از قاضی خان بدر محمد دہلوی المعروف بہ دھاروال) جس کا سالِ تالیف ۸۲۲ھ ہے[24]۔

''بحر الفضائل فی منافع الا فاضل'' (از مولانا فضل الدین محمد بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی المعروف بہ کڑئی گجراتی) جس کا سن تالیف ۸۳۷ھ یا ۸۳۸ھ ہے[25]۔

''زفانِ گویا'' (از بدر ابراہیم) جو قیاساً ۸۲۲ھ اور ۸۳۷ھ کے درمیان تالیف ہوئی[26]۔

''شرف نامۂ احمد منیری'' (منیری میں م اور ی مفتوح ہیں جبکہ ن ساکن ہے) (از ابراہیم قوام فاروقی) جس کا سالِ تالیف ۸۷۷ھ کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے[27]۔

''مفتاح الفضلا'' (از مولانا محمد بن داؤد شادی آبادی منڈوی) جو ۸۷۳ھ میں تصنیف ہوئی[28]۔

''تحفۃ السعادت'' (از مولانا محمود بن شیخ ضیا) جو بہ عہدِ سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ھ۔۹۲۳ھ) ۹۱۶ھ میں تالیف کی گئی[29]۔

''موید الفضلا'' (از مولانا شیخ محمد بن احمد لاڈ دہلوی) جس کا سنِ تالیف ۹۲۵ھ ہے[30]۔

ان لغات کے علاوہ ''قنیۃ الطالبین'' (از قاضی شاہ)، ''موائد الفوائد''، ''فرہنگِ شیخ عاشق زادہ''، ''فوائد الفضلاء''، ''لسان الشعراء''، ''طب حقائق الاشیاء''، ''فرہنگِ شیر خانی'' اور اسی قبیل کی بعض دیگر تالیفات ملتی ہیں جن کے زمانۂ تالیف سے ہم ناواقف ہیں

مگر یہ علم ہے کہ یہ مغلیہ عہد سے قبل کی یادگار ہیں[۳۱] اور انہی کی بنیاد پر مغلیہ دور میں وہ لغات تصنیف ہوئیں جو آج بھی فارسی لغات کے لیے سند کا حکم رکھتی ہیں[۳۲]۔

ان معروف لغات میں سے ''بحر الفضائل فی منافع الافاضل''، ''ادات الفضلاء''، ''شرف نامہ'' اور ''موید الفضلاء'' میں اکثر مقامات پر فارسی اور عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے ان کے اردو مترادفات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ''ادات الفضلاء'' میں اردو الفاظ کا خاص اہتمام ہے۔ ''فرہنگ قواس'' اور ''دستور الافاضل'' میں مقامی الفاظ بیس (۲۰) سے زیادہ نہیں لیکن ''ادات الفضلاء'' میں تین سو (۳۰۰) فارسی الفاظ کے معنی اردو میں بیان کیے گئے ہیں[۳۳]۔ نہ صرف یہ کہ اس زمانے کی ہندوستان میں لکھی گئی فارسی کتابوں میں اردو (یا ہندی) کے الفاظ ملتے ہیں بلکہ فارسی کے بعض قدیم ایرانی شعرا کے ہاں بھی اردو الفاظ نظر آتے ہیں[۳۴]۔

بعد میں ان الفاظ کی فارسی تشریح کے ساتھ ساتھ اردو کے الفاظ بھی مترادفات کے طور پر لائے جانے لگے تاکہ ہندوستان کے عام خواندہ لوگ بھی ان اردو مترادفات کی مدد سے فارسی الفاظ کے صحیح معنوں سے واقف ہو سکیں[۳۵]۔ مترادفات کا یہ سلسلہ ''فرہنگ قواس'' سے ''فرہنگ نظام'' تک جاری رہا[۳۶]۔ اس اعتبار سے یہ خصوصیت یہاں کی فارسی لغت نویسی کو ایران کی لغت نویسی سے ممتاز کرتی ہے[۳۷]۔

۳۔ نصاب نامے: منظوم لغات

اردو اور فارسی کی اس آمیزش و اختلاط کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اردو خود ایک قائم بالذات اور مستقل ادبی زبان کی حیثیت سے سامنے نہ آگئی[۳۸]۔ اس اختلاط کی ایک صورت وہ فرہنگیں اور تعلیمی نصاب تھے جن میں اردو اور فارسی دونوں کا استعمال تھا[۳۹]۔ ان نصابوں کا مقصد بچوں کو عربی اور فارسی الفاظ کے اردو مترادفات سے واقف کرانا تھا۔ گویا اردو لغت نویسی کے ابتدائی ادوار کے محرکات میں ایک اہم محرک نصابی اور تعلیمی ضروریات بھی تھیں۔

یہ نصاب نامے یا تعلیمی نصاب جنھیں منظوم لغات کہنا چاہیے اردو لغت نویسی کا دوسرا مرحلہ ہیں۔ ان کا آغاز عہدِ جہانگیری (سولھویں صدی عیسوی) میں ہوا (بشرطیکہ ''خالق باری'' کو امیر خسرو کی تصنیف نہ مانا جائے، یہ بحث آگے آرہی ہے)۔ چونکہ نثر کے مقابلے میں نظم آسانی سے یاد ہو جاتی ہے لہٰذا ہمارے اسلاف نے منظوم نصاب تیار کرنے شروع کیے۔ ان منظوم نصابوں کا آغاز عربی سے ہوا تھا اور اس کی تقلید میں فارسی نے بھی اس طرح کی نصابی کتابوں سے کام لینا شروع کیا[۴۰]۔ معاش اور سماجی توقیر دونوں کے لیے ہندوستان کے عہدِ اسلامی میں فارسی کی تحصیل اہم تھی۔ بچوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ عربی اور فارسی سیکھیں۔ چنانچہ ابتدائی تعلیمی کتابیں تصنیف کی گئیں جنھیں نصاب نامہ کہتے تھے[۴۱]۔

نصاب ناموں کی وجہ تسمیہ بقول حافظ محمود شیرانی یہ ہے کہ ان میں اختصار کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور ان کی طوالت بالعموم دو سو (۲۰۰) اشعار تک محدود ہوتی تھی۔ فقہی اعتبار سے دو سو (۲۰۰) درہم وہ رقم تھی جس پر حول (یعنی ایک سال) گزر جانے پر کسی زمانے میں زکوۃ واجب ہو جاتی تھی۔ جس رقم پر زکوۃ واجب ہو اس کو فقہ کی اصطلاح میں نصاب اور اس کے مالک کو صاحبِ نصاب کہتے ہیں۔ فارسی

کے نصابی ادب کے باوا آدم ابونصر فراہی نے اپنی مشہور تصنیف ''نصاب الصبیان'' (۶۱۷ھ) کا نام اسی رعایت سے رکھا[۴۲]۔ فراہی کے مقلدوں نے اس روایت کو جاری رکھا۔ چنانچہ ایسی تصانیف کا نام ہی لفظِ ''نصاب'' سے شروع ہونے لگا مثلاً ''نصابِ خسرو''، ''نصاب بدیعی''، نصاب ضیائی''، نصابِ کمال الدین''، ''نصابِ مقلوب'' وغیرہ یہاں تک کہ لغت نویسی کی اس شاخ کا نام ہی رفتہ رفتہ نصاب پڑ گیا[۴۳]۔

برعظیم میں ان منظوم نصابوں کا خاصا رواج رہا ہے اور دراصل فارسی کے نصاب ہی اردو اور بعض دیگر زبانوں کے نصابوں کے لیے محرک ثابت ہوئے اور مختلف علاقائی زبانوں اور تحتی بولیوں مثلاً پنجابی، گجری، دکنی، کشمیری، بھاشا، پشتو اور تلنگی میں بھی ان کا سراغ ملتا ہے[۴۴]۔ فارسی میں ان نصابوں کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ بچوں کو عربی الفاظ سے اتنا آشنا کر دیا جائے کہ اگلے درجوں کی تعلیم میں مدد مل سکے لیکن یہ مقصد وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتا گیا اور ایسے نصاب بھی تیار کیے گئے جو آخری درجوں کے طلبہ کے لیے بھی مفید ثابت ہو سکیں[۴۵]۔ ان نصاب ناموں میں سے کئی ایسے بھی ہیں جن میں فارسی اور عربی کے مترادفات سکھانے کے لیے اردو زبان استعمال کی گئی ہے[۴۶]۔ ان نصابوں میں دو اور بعض صورتوں میں تین زبانوں کے مترادفات دیے گئے ہیں۔ ان کی تصنیف کا سلسلہ بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ بلکہ انگریزوں کی آمد کے بعد لکھے جانے والے بعض نصاب ناموں میں اردو کے عربی اور فارسی مترادفات کے علاوہ انگریزی مترادفات بھی لکھے جانے لگے تھے جو بدلتے ہوئے سماجی اور معاشی حالات کے بھی غماز ہیں۔ کچھ نصاب ایسے بھی تھے جو مخصوص ضروریات مثلاً صنائع بدائع کی تعلیم کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے[۴۷]۔

آگے چل ایسے نصاب نامے بھی لکھے گئے جن کا مقصد مترادفات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھا چنانچہ ''بیت الپٹاخہ'' اور ''نادر تڑاخا'' کے عنوان سے کتابیں چھپیں جن میں شائقینِ بیت بازی کو حرف ''ٹ''، ''ڈ'' اور ''ڑ'' پر ختم ہونے والے اشعار فراہم کیے گئے تھے گو اس میں مترادفات کا منظوم صورت میں اہتمام موجود تھا[۴۸]۔ بعض عاقبت نا اندیشوں نے اغلام بازی کی اصطلاحات کو بھی نصاب ناموں کا حصہ بنا دیا[۴۹]۔

لیکن اردو میں ان نصابوں کی وہ افراط نہیں جو فارسی میں ہے اور اردو میں ان کا رواج آج سے کوئی چار سو سال پہلے ہوا[۵۰]۔ اس ضمن میں سب سے پہلا نصاب نامہ ''قصیدہ درلغات ہندی'' ہے جو حکیم یوسفی کی تصنیف ہے جن کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا نصف اول (سولھویں صدی عیسوی کا نصف اول) ہے[۵۱]۔ اس کے بعد ''خالق باری'' (جس کا نام ''حفظ اللسان'' ہے اور یہ اشارہ ہے کہ یہ طلبہ کو حفظ کرائی جائے[۵۲])، ''اللہ خدائی'' اور ''صمد باری'' وغیرہ ملتے ہیں۔ ان نصاب ناموں میں فارسی الفاظ کے اردو مترادفات بیان ہوئے ہیں۔ ''خالق باری'' کے اثرات آئندہ لکھے جانے والے نصابوں پر گہرے پڑے اور اس کے تتبع میں کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئیں جن کی فہرست حافظ محمود شیرانی نے دی ہے[۵۳]۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ صحیح طور پر بتانا بہت مشکل ہے کہ ''خالق باری'' کے انداز میں کتنی کتابیں لکھی گئیں[۵۴]۔

''خالق باری'' کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اسے پہلے امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ) کی تصنیف سمجھا جاتا تھا لیکن شیرانی

نے خیال ظاہر کیا کہ یہ ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ہے اور عہدِ مغلیہ میں تالیف ہوئی اگر چہ اس خیال سے اختلاف بھی کیا گیا ہے[۵۵] بقولِ شیرانی ''خالق باری'' میں اردو مترادفات کے سلسلے میں کئی غلطیاں ملتی ہیں اور یہ وہی غلطیاں ہیں جو ہندوستان میں مغلیہ عہد سے قبل تصنیف کی جانے والی فارسی فرہنگوں میں نظر آتی ہیں جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ دورِ مغلیہ کی تصنیف ہے[۵۶]۔ افسر امروہوی نے بڑے مدلل طریقے سے شیرانی جیسے فاضلِ اجل کی بعض فروگزاشتوں کی طرف اشارہ کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیرانی صاحب کا ''خالق باری'' کو کسی مجہول ضیاء الدین خسرو سے منسوب کرنا درست نہیں ہے اور یہ امیر خسرو ہی کی تصنیف ہے[۵۷]۔ لیکن اس ضمن میں شیرانی کے دلائل بھی قابلِ غور ہیں۔ نیز یہ کہ چونکہ امیر خسرو کی تخلیق سمجھے جانے والے متون میں الحاق اور غلط انتساب کا عنصر بہت زیادہ ہے اور ان میں ہر دور میں اضافے کیے گئے ہیں لہٰذا ''خالق باری'' کو حتمی طور پر امیر خسرو کی تصنیف ٹھہرانے یا کم از کم اسے بتمام و بکمال امیر خسرو ہی کے قلم سے نکلا متن سمجھنے کا معاملہ مشکوک ہی رہتا ہے۔ یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ کیا ''خالق باری'' کی اردو واقعی اتنی ہی قدیم ہے کہ اسے فخر الدین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' (۱۴۳۵ء) سے بھی قدیم تر مان لیا جائے؟۔ جبکہ دونوں کی زبان میں بہت زیادہ فرق محسوس ہوتا ہے اور ''خالق باری'' کی اردو نسبتاً صاف اور ارتقا یافتہ معلوم ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اردو کی اولین نصابی کتاب ''خالق باری'' کی طرز پر لکھی گئی ایک مثنوی ہے جو اجے چند سکندر آبادی نے ۹۶۰ھ میں تالیف کی تھی اور اسے ''مثلِ خالق باری'' کے نام سے مرتب بھی کیا گیا ہے[۵۸]۔

''خالق باری'' یا ''حفظ اللسان'' کی زبان کھچڑی ہے۔ اردو، فارسی اور عربی الفاظ کے علاوہ اس میں تشریح کی زبان کہیں فارسی اور کہیں اردو ہے۔ اس کی اردو کو گوالیاری بھی کہا گیا ہے[۵۹]۔ ''خالق باری'' کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بعد میں کئی لوگوں نے اسی نام سے نصاب نامے لکھے اور نہ صرف اردو میں بلکہ دیگر کئی مقامی زبانوں اور علاقائی بولیوں مثلاً پنجابی، گوجری، دکنی، برج، تلگو وغیرہ کے نصاب بھی اس کے مرہونِ احسان ہیں۔ اسی طرح ''صمد باری'' کے عنوان سے بھی کئی نصاب نامے لکھے گئے[۶۰]۔ نصاب ناموں کا یہ سلسلہ لگ بھگ بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہا اور نصاب ناموں میں غالب کا ''قادر نامہ'' بھی شامل ہے[۶۱]۔

نصاب ناموں کے طرز پر بعض ایسی لغات بھی شائع ہوئیں جن میں انگریزی مترادفات بھی دیے گئے تھے چنانچہ مثال کے طور پر انیسویں صدی میں شائع ہونے والی چار زبانوں کی لغت ''اشرف اللغات'' کو پیش کیا جاسکتا ہے جس میں اردو یا ہندی کے ساتھ فارسی، عربی اور انگریزی کے بھی مترافات شامل ہیں۔ اس میں انگریزی الفاظ کا تلفظ بھی اردو رسم الخط میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے مولف اشرف علی گلشن آبادی ہیں[۶۲]۔

جنوبی ہند اور گجرات میں اردو نصاب ناموں اور ابتدائی لغات کا سلسلہ شمالی ہند میں لکھے گئے ان نصاب ناموں سے قبل شروع ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں ''لغاتِ گجری'' کا نام لیا جاتا ہے جس کے مصنف اور زمانۂ تصنیف کا علم نہیں ہو سکا لیکن نجیب اشرف ندوی کے بقول اس میں اردو کے الفاظ ''خالق باری'' سے بھی قدیم تر شکل میں ہیں جس سے اس کے ''خالق باری'' سے قدیم ہونے کا اندازہ ہوتا ہے[۶۳]۔ (یہاں ''خالق باری'' کا امیر خسرو سے انتساب پھر مشکوک ٹھہرتا ہے)۔ یہ سہ زبانی لغت ہے جس میں عربی، فارسی اور اردو کے مترادفات دیے گئے ہیں۔ گجرات میں تصنیف کی گئی ایک اور اردو لغت کا ذکر سید سلیمان ندوی نے کیا ہے لیکن اس کے بھی مصنف اور

زمانے کا تعین نہیں کیا جا سکا۔ یہ منظوم ہے اور اس میں عربی اور اردو کے مترادفات دیے گئے ہیں[۶۴]۔ اسے نصاب نامہ ہی کہنا چاہیے۔ اس کے بعد کے ادوار میں دکن میں تالیف کیے گئے لغاتی نصاب ناموں میں ''گنج نامہ''، ''خوانِ یغما''، ''رازق باری'' اور ''قادر باری'' وغیرہ شامل ہیں[۶۵]۔

۴۔ اردو لغت نویسی کا باقاعدہ آغاز:

اردو میں لغت نویسی کا باقاعدہ آغاز گیارھویں صدی ہجری کے اواخر اور بارھویں صدی ہجری کے اوائل (سترھویں صدی عیسوی کے اواخر یعنی عہدِ عالمگیری) میں تصنیف کی جانے والی لغت ''غرائب اللغات'' سے ہوا جس کے مؤلف عبدالواسع ہانسوی تھے۔ سید عبداللہ کے مطابق ''غرائب اللغات'' کے قدیم ترین دست یاب نسخے کا سالِ کتابت ۶۰۔۱۱۵۹ ہجری ہے[۶۶]۔

اردو کی اس پہلی لغت کی تصنیف بھی بڑی حد تک نصاب ناموں کی مرہونِ منت ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ یہ لغت ہانسوی نے وسطانیہ درجوں کے طالب علموں کے لیے لکھی تھی اگرچہ بظاہر اس کا ارادہ عام لوگوں کے لیے نامانوس الفاظ اور ناموں کی وضاحت تھا۔ ہانسوی نے اس میں ایسے مقامی الفاظ درج کیے جن کے معنی آسانی سے فارسی لغات میں نہیں ملتے تھے[۶۷]۔ بارھویں صدی کے وسط[۶۸] میں سراج الدین خان آرزو (۱۰۹۹ھ۔۱۱۶۹ھ/۸۸۔۱۶۸۷ء۔۱۷۵۶ء)[۶۹] نے ''غرائب اللغات'' کو ''نوادر الالفاظ'' کے نام سے ضروری تصحیح و ترمیم اور اضافے کے بعد مرتب کیا۔ ''غرائب اللغات'' ایک معمولی کتاب ہے اور اس کے مخاطب عام طالب علم ہیں جبکہ آرزو نے ''نوادار الالفاظ'' میں نہ صرف یہ کہ غرائب کے تمام الفاظ کو لے لیا بلکہ نوادر کو ایک عالمانہ اور محققانہ کتاب بنا دیا[۷۰]۔

۵۔ اردو لغت نویسی پر نصاب ناموں کے اثرات:

عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ نصاب ناموں کی تالیف کا بنیادی مقصد اردو کے ذریعے فارسی اور عربی کی تعلیم تھا لیکن ان میں سے کئی کا مقصد اردو کی تعلیم دینا بھی تھا۔ گویا ان نصاب ناموں کے ذریعے دونوں کام لیے گئے یعنی اردو کے ذریعے عربی فارسی کی تعلیم اور فارسی کے ذریعے اردو کی تدریس[۷۱]۔ اس میں یہ اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ بعض نصاب ناموں کی تالیف کا ایک اور مقصد، خصوصاً جو بعد کے ادوار میں تصنیف کیے گئے، اردو اور فارسی الفاظ کے انگریزی مترادفات سے طلبہ کو متعارف کرانا بھی تھا[۷۲]۔

اردو کی تدریس اور اردو لغات کی تدوین پر نصاب ناموں کے بہت گہرے اثرات پڑے۔ اردو کی پہلی لغت ''غرائب اللغات'' طلبہ ہی کے لیے لکھی گئی۔ بعد کے ادوار میں لکھی جانے والی اردو لغات پر بھی ان کے اثرات پڑے۔ ان لغات کا انداز بھی نصاب ناموں کا سا رہا اور ان میں تشریح کی بجائے مترادفات پر زیادہ زور دیا گیا۔ عبدالواسع ہانسوی نے خود بھی نصاب نامے لکھے۔ لیکن اس کا ایک خراب اثر ان کی لغت نویسی پر یہ پڑا کہ جب انھوں نے اردو کی پہلی لغت ''غرائب اللغات'' لکھی تو اس کا انداز بھی مدرسانہ رکھا۔ اس کی تشریحات کا انداز بھی سطحی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ لغت بھی وسطانیہ درجوں کے طالب علموں کے لیے تصنیف کی تھی[۷۳]۔ یہ کوئی اعلیٰ پائے کی لغت نہیں اور انھوں نے اس کی تصنیف میں حد درجہ بے احتیاطی سے کام لیا تھا لیکن زمانی تقدم کی وجہ سے ہانسوی

کو جو اہمیت حاصل ہے اسے گھٹایا نہیں جا سکتا[۷۴]۔

اس کے بعد لکھی جانے والی اردو لغات مثلاً ''زبدۃ الاسماء''، ''شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان''، ''دلیلِ ساطع''، ''نفائس اللغات''، ''نفس اللغہ'' اور ''منتخب النفائس''[۷۵] وغیرہ میں سے بیشتر میں لغت نویسی کا زیادہ تر یہی انداز ہے کہ الفاظ کے مترادفات دیے گئے ہیں اور ان میں سے بعض کو لغت کی بجائے فرہنگ ہی کہنا چاہیے[۷۶]۔ گویا اردو کی ابتدائی لغات اپنی نوعیت کے لحاظ سے دولسانی یا سہ لسانی ہیں، یہ بڑی حد تک نصاب ناموں کی دین ہیں اور نصاب ناموں ہی کی طرح ان میں مترادفات دیے گئے ہیں۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ نصاب ناموں کے اثرات سے اردو میں لغت نویسی کو مترادفات کی فہرست سازی سمجھ لیا گیا اور اس کے اثرات بہت بعد میں لکھی جانے والی لغات میں بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً ''فرہنگِ آصفیہ'' جیسی مبسوط لغت جو انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں لکھی گئی، میں بھی اکثر مقامات پر مترادفات سے کام چلا لیا گیا ہے۔ اس کے بعد کے ادوار کی بہت سے لغات میں بھی یہی روش ملتی ہے بلکہ حالیہ دور میں لکھی گئی بعض ایسی لغات میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جو مستند سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ لغت نویسی میں تشریح نگاری کی بڑی اہمیت ہے اور آج کے دور میں انگریزی لغت نویسی میں تو اس پر اتنا زور ہے کہ مترادفات کو کم سے کم اور تشریح کو زیادہ سے زیادہ برتا جاتا ہے۔ اوکسفرڈ کی Concise Oxford English Dictionary کے تازہ ترین یعنی گیارھویں ایڈیشن (۲۰۰۴ء) میں یہ خصوصیت واضح ہے اور اس میں مندرج الفاظ کی خاصی بڑی تعداد ایسی ہے جن کے کوئی مترادفات نہیں دیے گئے بلکہ صرف تشریح دی گئی ہے۔ اس کے برعکس اردو کی معروف اور معتبر سمجھی جانے والی لغات میں مترادفات کی بھرمار کو تشریح کا نعم البدل سمجھ لیا گیا ہے یہاں تک کہ تکنیکی الفاظ کی بھی صراحت کے لیے بھی محض مترادفات کا کافی خیال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی کی کسی اچھی لغت میں لفظ ''دل'' (heart) کی تشریح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دل ایک عضو ہے جو انسانی سینے میں بائیں جانب واقع ہے اور اس کا بنیادی فعل جسم کو خون فراہم کرنا ہے۔ اب کسی معیاری سمجھی جانے والی اردو لغت میں ''دل'' کے معنی ملاحظہ فرمائیے تو آپ کو صرف مترادفات مثلاً ''قلب، جی، ہیا، من'' وغیرہ ہی نظر آئیں گے۔ یہی حال دیگر تکنیکی الفاظ کا ہے، عام الفاظ کا تو ذکر ہی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وحید قریشی صاحب نے اردو مزاح کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارا قدیم سرمایۂ تنقید لفظ ''مزاح'' کی تعریف کے ضمن میں خاموش ہے اور اس میں صرف مزاح کے مترادفات ''لطیفہ، ٹھٹھا، شوخی، چہل، ہزل، پھبتی، جگت، دل لگی، تمسخر'' وغیرہ سے کام چلا لیا گیا ہے[۷۷]۔ کچھ یہی حال اردو کی متداول لغات کا بھی ہے جن میں مزاح کی تعریف کی بجائے اس کے مترادفات ہی ملتے ہیں۔ جبکہ انگریزی لغات میں لفظ ''مزاح'' کی پوری وضاحت اور تشریح دی جاتی ہے کہ اس سے کیا مراد ہے، مترادفات کی باری تو بعد میں آتی ہے۔ راقم نے اپنے مقالے کے لیے جب لفظ ''مزاح'' کی تعریف لکھنی چاہی تو اردو لغات تو کیا مزاح کے موضوع پر لکھے گئے بعض مضامین (مثلاً مولانا حالی کا ایک مضمون) میں بھی مزاح کی کوئی باقاعدہ تعریف نہ مل سکی اور صرف انگریزی لغات میں دی گئی تعریفوں سے کام چلانا پڑا۔

جب اردو لغت بورڈ کی عظیم و ضخیم لغت (جو تاریخی اصولوں پر مرتب کی جا رہی ہے اور قریب الاختتام ہے) کی سترھویں جلد ۲۰۰۰ء میں چھپ کر آئی تو راقم الحروف کے ذہن میں مزاح سے متعلق وحید قریشی صاحب کے الفاظ تھے اور وہ لفظ مزاح کی تعریف کی تلاش سے عملی طور پر گزر بھی چکا تھا، چنانچہ اس نے بڑے اشتیاق سے اس میں ''مزاح'' کے معنی دیکھے اور یہ دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی کہ اس میں بھی ''مزاح'' کی تعریف دینے کی بجائے اس کے وہی مترادفات دیے گئے ہیں جو پرانی لغات میں موجود ہیں یعنی''

ظرافت، خوش طبعی، مذاق، دل لگی، ہنسی ٹھٹھا'' وغیرہ۔ یعنی نقل درنقل کا سلسلہ جاری ہے۔ گویا نصاب ناموں کے اثرات اردو لغات پر بیسویں صدی کے آخر تک موجود ہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بورڈ کی لغت کئی لحاظ سے اردو کی جامع ترین اور بہترین لغت ہے اور چند فروگزاشتوں سے اس کا درجہ کم نہیں ہوتا بلکہ بعض لحاظ سے (مثلاً لفظ کے مختلف معنی اور استعمال کے لیے تاریخی ادوار کی مناسبت سے اسناد کی فراہمی) اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ (اور اس لغت میں لفظ ''دل'' کی بھی عمدہ تشریح موجود ہے)۔

اس اوپر کی مثال سے اردو لغات کی دوسری عام خرابی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ اردو کی ابتدائی لغات کے مؤلفین نے دوسرا عیب جو نصاب ناموں اور فارسی لغات سے سیکھا وہ یہ ہے کہ دوسروں کے لکھے ہوئے الفاظ کو بعینہ لے لیا جائے۔ چنانچہ اردو کی کئی لغات میں اپنے پیش رؤوں کی اغلاط کو جوں کا توں دہرا دیا گیا ہے۔ نقل درنقل کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے حتیٰ کہ باقاعدہ منصوبہ بندی اور اداروں کے تحت تیار ہونے والی لغات بھی بعض مقامات پر اس عیب سے پاک نہیں ہیں۔ یہ بات کثیر مثالوں سے ثابت کی جا سکتی ہے لیکن یہ بجائے خود ایک علیحدہ مقالے کا موضوع ہے۔

حواشی

۱۔ ندوی، نجیب اشرف، مقدمہ، ص ا۔۲

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ہاشمی، ۱۹۹۸، ص ۱۰۶۔

۴۔ ایضاً، ص ۸۱، ۱۰۶۔

۵۔ محولہ بالا، ص ۸۱۔

۶۔ محولہ بالا نیز شینٹرل (Chantrell) کے مطابق لفظ گلوسری glossary کے معنی ہیں: ''الفبائی فہرست'' یہ یونانی کے glossa اور لاطینی کے glossarium سے نکلا ہے جس کا مفہوم ہے: لفظ جس کی تشریح یا وضاحت درکار ہو۔ نیز gloss کے معنی وضاحت اور تشریح کے بھی ہیں، ص ۲۳۴۔

۷۔ فاروقی، مقدمہ، ۱۹۹۸ء، ''اردو لغت نویسی کا پس منظر''، مصنفہ ہاشمی، ص ۱۲۔

۸۔ ہاشمی، ۱۹۹۸ء، ص ۸۵۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۰۶۔ کرسٹل کے مطابق انگریزی کے ذخیرۂ الفاظ کی اولین فہرستیں دراصل اینگلو سیکسن (Anglo-Saxon) الفاظ کی وہ فہرستیں (glosses) تھیں جو آٹھویں صدی عیسوی میں لاطینی کتابوں کی سطروں کے درمیان لکھی گئیں، ص ۱۱۰۔

۱۰۔ ہاشمی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۶؛ نیز کرسٹل ص ۱۱۰؛ عبدالحق، ص ۱۹۹۔

۱۱۔ محمد علی، آقای، ص ۱۶۱۔

۱۲۔　ایضاً۔

۱۳۔　محولہ بالا۔

۱۴۔　محولہ بالا، ص ۱۶۲۔ ۱۶۴۔ پروفیسر نذیر احمد نے اسدی مولفِ '' لغت فرس'' کا سال وفات ۴۶۵ ہجری لکھا ہے، ۱۹۹۷ء، ص ۱۷۱۔ ۶۔ ''لغت فرس'' کو'' فرہنگ اسدی'' بھی کہا جاتا ہے اور اس ضمن میں ایک دل چسپ بحث یہ بھی ہے کہ اسدی طوسی ایک ہے یا دو ہیں، انھیں اسدی خورد اور اسدی کلاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن مظہر محمود شیرانی کے مطابق جدید دور کے ایرانی فضلاء دو اسدیوں یعنی خورد و کلاں کے وجود کو نہیں مانتے اور ان کے خیال میں ''گرشاسپ نامہ'' کا مصنف اسدی بھی وہی ہے جو لغت فرس یا فرہنگ اسدی کا ہے۔ تفصیلات: ''مقالاتِ حافظ محمود شیرانی''، ج ۵، ص ۱۹۵ (حاشیہ) نیز ج ۶، ص ۵۶، (حاشیہ)۔

۱۵۔　مقدمہ ''لغات گجری'' ص ۳۔

۱۶۔　۱۹۶۵ء، ص ۳۔ ۴۱

۱۷۔　تفصیلات: عبداللہ، مقدمہ، (مصنفہ آرزو) ص ۱، ۲۔

۱۸۔　تفصیلات: ''مقالاتِ حافظ محمود شیرانی''، ج ۱، ص ۱۵۴۔ ۲۰۰

۱۹۔　ایضاً، ص ۲۰۲؛ نیز ''مقالاتِ حافظ محمود شیرانی''، ج ۶، ص ۱۶۹۔

۲۰۔　احمد، نذیر، ۱۹۹۲ء، ص ۲۹۷۔

۲۱۔　احمد، نذیر، ۱۹۹۷ء، ص ۱۷۱۔ ۶۔

۲۲۔　شیرانی نے ''دستور الافاضل'' کے زمانۂ تالیف کے سلسلے میں دو مختلف باتیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ یہ ۷۷۳ھ میں بہ عہد فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ۔ ۷۹۰ھ) تالیف ہوئی ''مقالات''، ج ۱، ص ۲۰۲۔ اسی سال یعنی ۷۷۳ھ کو وہ مقالات کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۴۷ پر بھی دہراتے ہیں۔ دوسرے موقعے پر وہ اس کے مولف مولانا رفیع دہلوی عرف حاجب خیرات سے متعلق کہتے ہیں کہ وہ محمد بن تغلق (۷۲۵ھ۔ ۷۵۲ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں اور کتاب کی تکمیل ۷۴۳ھ میں ہوئی ''مقالات''، ج ۶، ص ۱۶۷۔ مقالات کی جلد ہشتم میں بھی وہ اس سال یعنی ۷۴۳ھ کو ''دستور الافاضل'' کا سال تکمیل بتاتے ہیں، ص ۱۴۶۔ نیز ملاحظہ ہو اگلا حاشیہ۔

۲۳۔　''دستور الافاضل'' کا ذکر کرتے ہوئے شہر یار نقوی نے مولف کے بارے میں بتایا ہے کہ ان کی وفات ۷۴۷ھ میں ہوئی اور انھوں نے محمد بن تغلق کے دور میں ۷۴۳ھ میں یہ لغت تالیف کی۔ بقول ان کے کتاب اور مولف کے نام کے ساتھ تاریخ تالیف بھی اشعار میں بیان کی گئی ہے جو اس شعر سے ظاہر ہے:

ز ہجرت بود ہفصد با سہ و چہل
مرتب گشتہ دستور افاضل

ص ۵۷؛ نیز نذیر احمد بھی اس سال یعنی ۷۴۳ھ سے متفق ہیں، ۱۹۹۲ء، ص ۲۹۷۔

۲۴۔　شیرانی، ''مقالات''، ج ۱، ص ۲۰۲ نیز ج ۶، ص ۱۶۹؛ ج ۸، ص ۱۰۹، ۱۴۶؛۔ نذیر احمد ''ادات الفضلا'' کے

سال تصنیف ۸۲۲ھ سے متعلق کہتے ہیں کہ عام طور پر یہی تاریخ ملتی ہے لیکن حاشیے میں یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ریو (Rieu) کی فہرست کے مطابق برٹش میوزیم کے نسخے میں ۸۱۲ھ درج ہے ،۱۹۶۷ء، الف،ص ۶۔ افسر امروہوی کے مطابق ''ادات الفضلا'' کا سالِ تصنیف ۸۲۱ھ ہے۔ص ۶۱۔

۲۵۔ شیرانی نے اپنے ''مقالات'' میں کم از کم سات بار ''بحر الفضائل'' کا سال تالیف بیان کیا ہے جس میں سے دو بار وہ اسے ۸۳۸ھ قرار دیتے ہیں، ج۱، ص۲۶۳؛ ج ۲، ص۱۹۔اور تین بار اسے ۸۳۷ھ بتاتے ہیں ،ج۱، ص ،۲۱۳، ۲۴۹؛ ج ۸، ص۱۴۶ ۔ اور ایک مقام پر کہتے ہیں کہ ۸۳۷ھ میں یہ تصنیف ہورہی تھی، ج۱، ص ۲۰۹ نذیر احمد نے '' بحر الفضائل'' کا سال تالیف ۸۳۷ ھ قرار دیا ہے ،۱۹۶۷ء، ب،ص ۹۱۔ جبکہ ابراہیم ڈار کے مطابق یہ ۸۳۸ھ میں تصنیف ہوئی۔ ڈار صاحب لکھتے ہیں کہ فضل الدین محمد بن قوام بلخی گجرات کے قدیم پایہ تخت پٹن کے قریب واقع چھوٹے سے قصبے کڑی کے رہنے والے تھے ۔ نظامی گنجوی کی مشہور مثنوی ''مخزن الاسرار'' پر انھوں نے شرح لکھی تھی جو ۷۹۶ھ میں مکمل ہوئی اوراس میں انھوں نے فارسی اور اردو کے مترادفات دیے تھے لیکن اس سے اہم ان کی لغت ''بحر الفضائل'' ہے، ص ۹۰۔ شیرانی نے ثابت کیا ہے کہ بلخی ۷۹۵ھ میں شرح مخزن کی تالیف میں مصروف تھے اور باقی سارے سنین غلط ہیں ، '' مقالات''، ج۱، ص۲۰۵۔۲۰۹؛ شیرانی کے بقول قوام بلخی نہ بلخ کے تھے نہ کرخی تھے بلکہ ان کا تعلق برعظیم ہی سے تھا۔ البتہ ان کے قصبے کڑہ یا کڑی یا کری کے بارے میں وہ دو آراء رکھتے ہیں، پہلے تو اسے الہٰ آباد کے قریب واقع بتاتے ہیں ''مقالات''، ج۱، ص ۲۱۰۔ لیکن پھر اسے احمد آباد گجرات کے قریب واقع مان لیتے ہیں ،ج۱، ص۱۲۰۔۲۱۱ (حاشیہ)،ص۲۶۳، ۴۱۷۔

۲۶۔ احمد، نذیر ،۱۹۶۷ء،ب ،ص ۹۲۔ نذیر احمد صاحب کی تحقیق کے مطابق ''زفان گویا'' کا مصنف بدر ابراہیم ہے جسے شیرانی صاحب ملا رشید پدرِ ابراہیم سمجھے ، ایضاً، ص۸۸۔۸۹ ۔ بقول ان کے ''زفان گویا'' پر ''فرہنگ قواس'' کا بے حد اثر ہے ، یہاں تک کہ اس کے مقدمے کے بعض جملے بھی ذرا سی تبدیلی سے اپنے ہاں داخل کرلیے ہیں، ایضاً، ۹۲۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زفان کو اگر قواس کا چربہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، ۱۹۹۲ء، ص۲۹۷۔

۲۷۔ شیرانی ،''مقالات''، ج ۶،ص۱۶۹۔نبی بخش بلوچ کے مطابق اس کا نام کئی مختلف طریقوں سے لکھا جاتا ہے مثلاً '' شرف نامہ''،'' شرف نامۂ منیری''،'' شرف نامۂ ابراہیمی''،''فرہنگ شیخ ابراہیم بن قوام فاروقی''،''فرہنگ ابراہیمی''، ''فرہنگ شیخ ابراہیم بن قوام''اور''فرہنگ فاروقی''۔نیزان کے بقول شرف نامے کا سالِ تصنیف قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا گو ریو(Rieu) نے ۸۷۰ھ اور شیرانی نے ۸۷۲ھ دیا ہے،ص ۶۱۔۶۲؛لیکن شیرانی نے اس کا سال تالیف بتکرار ۸۷۷ھ دیا ہے،مثلاً ج ۸،ص ۱۸، ۴۸، ۱۴۶، ۱۵۰؛ شیرانی نے''فرہنگ شرف نامۂ احمد منیری'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ باربک شاہ والیِٔ بنگال باربک شاہ کے عہد (۸۶۴ھ۔۸۷۹ھ) کی تصنیف ہے، ج۱،ص ۱۷۹۔شیرانی نے اس کے جو مختلف نام اپنے مقالات میں مختلف مقامات پر دیے ہیں وہ یہ ہیں: ''شرف نامۂ احمد منیری''، فرہنگ شرف نامۂ احمد منیری''،'' شرف نامۂ

ابراہیم فاروقی''، (ج ا،ص ۱۷۹؛ ج ۲،ص ۱۲۷؛ ج ۸،ص ۱۴۹۔

۲۸۔ شیرانی، ''مقالات''، ج ۶، ص ۱۶۹ نیز ج ۸، ص ۱۴۶ ۔ شہر یار نقوی کے مطابق ''مفتاح الفضلاء'' مولانا محمد بن داؤد بن محمود شادی آبادی نے والیٔ مالوہ ابوالمظفر محمود شاہ خلجی (۸۳۹ھ۔ ۸۷۳ھ) کے زمانے میں تالیف کی، ص ۶۱۔

۲۹۔ شیرانی، ''مقالات''، ج ۶، ص ۱۶۹۔ نیز احمد، ۱۹۷۶ء، ب، ص ۹۲؛ نقوی، ص ۶۵۔

۳۰۔ شیرانی، ''مقالات''، ج ۶، ص ۱۶۹۔ نیز نقوی، ص ۶۶۔

۳۱۔ ایضاً۔ ان کے علاوہ بعض دیگر لغات کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً ''مجمل العجم'' از عاصم شعیب عبدوسی، ۸۹۹ھ میں مکمل ہوئی ،ریو (Rieu) بحوالہ نقوی، ص ۶۴۔ ''فرہنگ ابراہیم شاہی'' جس کا مصنف نا معلوم ہے اور سوائے ٹیپو سلطان کے کتب خانے کے اس کا کوئی نسخہ کہیں نہیں تھا۔ یہ غالباً دہلی کے فرماں روا ابرہیم شاہ دوم کے زمانے کا خط شکستہ میں لکھا ہوا نسخہ تھا ، چارلس اسٹوارٹ بحوالہ نقوی، ص ۶۹۔ بعد کے ادوار میں ''مدارالافاضل'' بھی معروف لغت ہے۔ اسے اللہ داد فیضی نے بہ عہد جلال الدین اکبر ۱۰۰۱ھ میں تالیف کیا، باقر، ص الف۔ ب نیز نقوی ص ۸۷۔ نیز مزید لغات کے لیے دیکھیے: محمد علی، ص ۱۸۲۔۱۹۱

۳۲۔ شیرانی ، ''مقالات''، ج ۶، ص ۱۶۹۔ بہت آگے چل کر جب انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں بہار کے ایک لغت نویس محمد ناصر علی نے اپنی لغت ''لغات ناصری'' کی تدوین میں تقریباً اڑتالیس (۴۸) لغات سے مدد لی تو ان کی فہرست بھی دے دی۔ تفصیلات اور لغات کے ناموں کے لیے: ندوی، نجیب اشرف ،ص ۱۴۔۲۰؛ نیز بلوخ مین (Blochman) اور شہر یار نقوی نے بھی کئی ایسی لغات کے نام دیے ہیں جو عام طور پر معروف نہیں ہیں۔

۳۳۔ احمد، نذیر، ۱۹۶۷ء، الف، ص ۱۰۔ شمس اللہ قادری کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا کہ ''ادات'' میں سات سو یا آٹھ سو اردو الفاظ ملتے ہیں ، دیکھیے: ص ۵۵۔۵۶؛ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''مباحث'' میں اردو اور بعض دیگر مقامی زبانوں کے ایسے الفاظ کا مطالعہ پیش کیا ہے جو عربی کی قدیم کتابوں میں موجود ہیں ، ملاحظہ ہو:، ص ۴۱ ۔ شیرانی نے ''پنجاب میں اردو'' میں ایسے اردو الفاظ کی فہرست دی ہے جو قدیم فارسی لغات اور دیگر کتابوں میں موجود ہیں، ص ۲۳۳۔۲۵۱۔ نذیر احمد نے بھی قدیم فارسی لغات میں اردو عناصر کا جائزہ لیا ہے، دیکھیے: ۱۹۶۷ء، الف اور ب۔ محمد باقر نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے ،ص ۱۴ ۔ ۲۳ ۔ ابواللیث صدیقی نے بھی چند قدیم لغات میں موجود اردو الفاظ کی نشان دہی کی ہے، ص ۴۴۔۵۲۔ سلیمان ندوی نے ''نقوش سلیمانی'' میں ایک قدیم منظوم لغت میں اردو کے الفاظ کا ذکر کیا ہے، ص ۲۸۲۔۲۸۳۔

۳۴۔ تفصیلات کے لیے: خان، غلام مصطفیٰ۔

۳۵۔ شیرانی، '' مقالات'' ، ج ۸، ص ۱۴ ؛ نیز عبداللہ، مقدمہ ، ص ۲۔ سید عبداللہ نے یہاں اور اس مقالے میں دیگر مقامات پر بھی ''اردو'' کی بجائے'' ہندی'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح شیرانی بھی کہیں کہیں لفظ

''ہندی'' استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے ان دونوں کی مراد وہی زبان ہے جو آگے چل کر اردو کہلائی اور اس کے کئی نام بشمول ہندی ، ہندوی اور ہندوستانی تھے کیونکہ ہندی کوئی الگ زبان نہ تھی اور نہ ہی اسے ناگری میں لکھا جاتا تھا۔ بلکہ اس زمانے میں ایک مشترکہ زبان ایک مشترکہ رسم الخط ، جو عربی فارسی تھا، میں لکھی جاتی تھی ۔ ناگری کا رواج بہت بعد میں اور منصوبہ بندی کے تحت ڈالا گیا جس سے ہندی کو جنم دیا گیا۔

پنجاب میں اردو' میں خود شیرانی کے الفاظ ہیں : ''یہ امر یاد رہے کہ فرہنگ نگار جس چیز کو ہندی کہتے ہیں وہ نہ برجی ہے، نہ پنجابی، نہ راجستانی اور نہ بنگالی و گجراتی۔ ہندی سے ان کی مراد یہی اردو ہے جو اس عہد کے مسلمانوں میں بالعموم رائج تھی''، ص ۲۳۸۔

۳۶۔ احمد، سید سعید (مترجم)، دیباچہ ''فارسی لغت نویسی کی تاریخ''، (مصنفہ محمد علی، آقائی)، ص ۱۵۵۔

۳۷۔ ایضاً۔

۳۸۔ عبداللہ، مقدمہ، ص ۲؛ نیز عبداللہ، ۱۹۶۵ء، ص ۷۰۔۸۳

۳۹۔ ایضاً؛ ایضاً۔

۴۰۔ شیرانی، ''مقالات''، ج ۸، ص ۱۳،۱۴۔ جالبی صاحب کے مطابق منظوم لغات کا یہ طریقہ بہت پرانا ہے اور عربی میں فن لغت کی سب سے قدیم کتاب ابوعلی محمد قطرب النحوی کی ''مثلثات قطرب'' ہے جس میں ۳۲ اشعار میں ۳۰ الفاظ کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ فارسی میں ابو نصر فراہی نے ۶۱۰ ہجری (۱۲۱۳ء) میں ''نصاب الصبیان'' لکھی جو درس نظامیہ میں صدیوں شامل رہی ہے اور جس میں عربی الفاظ کو فارسی اشعار میں بیان کیا گیا ہے، دیکھیے: ج ۱، ص ۲۹۔ لیکن شیرانی صاحب بتکرار ''نصاب الصبیان'' کا سالِ تالیف ۶۱۷ ہجری بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ افغانستان کے شہر فراہ میں تصنیف کی گئی ''مقالات''، ج ۲، ص ۱۱۸؛ نیز 'ج ۸، ص ۱۹، ۱۱۶)

۴۱۔ عبداللہ، مقدمہ، ص ۲؛ عبداللہ، ۱۹۶۵ء، ۸۸۔۹۵

۴۲۔ ''مقالات''، ج ۲، ص ۱۱۷۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷۔۱۱۸

۴۴۔ شیرانی، ''مقالات''، ج ۸، ص ۱۴۔

۴۵۔ شیرانی، ۱۹۴۴ء، دیباچہ اول، ص ۶؛ نیز شیرانی، ''مقالات''، ج ۸، ص ۲۲۔

۴۶۔ ندوی، نجیب اشرف، مقدمہ، ص ۳۔

۴۷۔ شیرانی، ''مقالات''، ج ۸، ص ۲۲۔۲۳

۴۸۔ ہاشمی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۵۔

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ شیرانی، ۱۹۴۴ء، دیباچہ اول ، ص ۶۔۷؛ نیز شیرانی ،''مقالات''، ج ۸، ص ۲۳۔۲۴۔ شیرانی نے لکھا ہے کہ اردو میں نصاب کا سلسلہ ساڑھے تین سو سال قبل شروع ہوتا ہے۔ اب ''چار سو سال سے زیادہ'' کہنا چاہیے۔

۵۱۔ شیرانی،۱۹۴۴ء،ص۵۳؛ نیز شیرانی،''مقالات''،ج۸،ص۱۵۸۔

۵۲۔ ایضاً؛ ایضاً۔شیرانی کے بقول اس کا نام پہلے''مطبوع الصبیان'' تھا،''مقالات''،ج۸،ص۳۶،۱۰۴۔

۵۳۔ تفصیلات کے لیے: شیرانی،۱۹۴۴ء، دیباچہ اول،ص۲۶؛ نیز شیرانی،''مقالات''،ج۸،ص۱۳۵۔

۵۴۔ آرزو، مختارالدین احمد،ص۱۳۲۔

۵۵۔ مثلاً جمیل جالبی صاحب کا خیال ہے کہ صدیوں کے اضافوں اور الحاقی عناصر نے اس کتاب کی شکل بدل دی ہے اور شیرانی جیسے فاضل کو مغالطہ ہو گیا، تفصیلات: ج۱، ص ۲۸۔۳۲؛ ممتاز حسین کی تحقیق کے مطابق ''خالق باری'' کا اصل نام''حفظ اللسان'' نہیں ہے اور یہ امیر خسرو ہی کی تصنیف ہے، بحوالہ عقیل،ص۹۹۔

۵۶۔ شیرانی، ۱۹۴۴ء، دیباچہ اول، ص۹ ۳و بعدہٗ؛ نیز ان کا خیال ہے کہ بعض شواہد کی بناپر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''خالق باری'' کا ماخذ ''موید الفضلا'' ہے۔ ''مقالات''، ج ۸، ص۳۲؛ نیز یہ کہ ''خالق باری'' ۱۰۳۱ہجری میں تصنیف ہوئی جبکہ امیر خسرو ۷۲۵ہجری میں وفات پا چکے تھے۔''مقالات''ج۸،ص۱۵۹۔

۵۷۔ افسر امروہوی کا یہ بھی کہنا ہے کہ''خالق باری'' کے سالِ تصنیف کے تعین کے لیے شیرانی کا ''نصیف آخر'' کو مادۂ تاریخ ماننا (جس سے سال ۱۰۳۱ھ برآمد ہوتا ہے) غلط ہے۔تفصیلات کے لیے:ص۳۹۔۹۷

۵۸۔ مولوی عبدالحق کے مطابق یہی اردو کی پہلی نصابی کتاب ہے (جس کا اصل نام معلوم نہیں اور اسی لیے اسے ''مثل خالق باری'' کا نام دیا گیا)،ص۱۹۹؛ نیز سخاوت مرزا کا بھی یہی خیال ہے، بحوالہ عقیل،ص۵۳۔

۵۹۔ شیرانی،۱۹۴۴ء، دیباچۂ دوم،ص۵۳۔۵۵

۶۰۔ خالق باری سے متاثر ہو کر لکھے جانے والی نصابی کتب کے ناموں اور دیگر تفصیلات کے لیے: شیرانی، ''مقالات''، ج ۸، ص۳۷۔۹۹، ۱۲۱نیز جالبی ، ج۱، ص ۳۳؛ ہاشمی، ۱۹۸۸ء، ۱۱۳،۱۱۴؛ ۱۱۱؛ہاشمی، ۱۹۹۲ء، ص۲۹۔۳۱

۶۱۔ غلام رسول مہر کو''قادر نامہ'' کے غالب کی تصنیف ہونے میں شبہ ہے حالانکہ غالب کی زندگی ہی میں ''قادر نامہ'' کے تین ایڈیشن چھپ گئے تھے۔ تفصیلات:سبزواری، ''قادرنامۂ غالب''، ص ۵۲۔ ۵۷؛ ۲۶ نیز ملاحظہ ہو: مالک رام،ص۱۹۷۔۲۴۷۔

۶۲۔ ''اشرف اللغات''دو جلدوں میں شائع ہوئی۔پہلی جلد ۱۸۷۰ء اور دوسری ۱۸۷۱ء میں طبع ہوئی۔ اس کی پہلی جلد کے ۱۲۴ صفحات ہیں اوراس پر اس کا ایک اور نام ''مصادر الافعال'' بھی سرورق پر درج ہے۔دوسری جلد ۸۸صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد کے سرورق پر اس کا ایک اورنام'' مجامع الاسماء'' بھی لکھا ہے۔ اس قسم کی اور بھی کئی کتابیں بھی لکھوائی گئیں جن کا مقصد طلبہ کو انگریزی سکھانا تھا ۔ نجیب اشرف ندوی نے ایسی بعض کتابوں کے نام'' لغات گجری'' کے مقدمے میں دیے ہیں (ص۴) ۔ ایسی ہی ایک کتاب ''اربع عناصر'' ہے جس کا نام ہی ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں چار زبانوں کے الفاظ شامل ہیں ۔ اردو، عربی اور فارسی کے علاوہ چوتھی زبان انگریزی ہے۔اس کے مصنف ناصر علی غیاث پوری ہیں اور یہ نول کشور نے ۱۹۰۷ء میں شائع کی تھی۔

۶۳۔ مقدمہ،ص۱۰،۲۶،۲۷۔

۶۴۔ ص۲۸۲۔۲۸۳

۶۵۔ ہاشمی،۱۹۹۲ء،ص۳۵۔۳۷

۶۶۔ مقدمہ،ص۴۳۔ مقدمے میں کاتب نے غلطی سے ہجری کی بجائے عیسوی سن کی علامت یعنی''ء '' لکھ دی ہے۔

۶۷۔ شیرانی،''مقالات''، ج۲،۳۵۹،۳۶۰ نیز جالبی، ج۱،ص۸۷،۶۳۹۔

۶۸۔ سید عبداللہ ''نوادرالالفاظ'' ہی کی سند سے ثابت کرتے ہیں کہ'' نوادر'' ۱۱۵۶ہجری میں زیرِ تالیف تھی، مقدمہ،ص ۱۶ نیز ص ۹۶۔ لیکن کاتب نے نہ صرف یہ کہ یہاں بھی سالِ ہجری کی بجائے عیسوی کی علامت ڈالی ہے بلکہ سال بھی ۱۱۵۶ کی بجائے ۱۱۶۵ لکھا ہے۔ البتہ ''نوادر'' کے اسی ایڈیشن مرتبہ سید عبداللہ کے متن اور حاشیے دونوں میں کاتب صاحب کی مہربانی سے صحیح سال یعنی۱۱۵۶ ھ لکھا گیا(ص ۹۶)(افسوس کہ انجمن ترقی اردو نے اس کی اشاعتِ ثانی (۱۹۹۲ء) میں بھی اس طرح کی اغلاط کی تصحیح پر کوئی توجہ نہیں دی)۔ امتیاز علی خاں عرشی کا بھی یہی خیال ہے کہ سراج الدین خان آرزو نے ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء میں ''غرائب للغات'' کی اصلاح کی،دیباچہ،ص ا۔

۶۹۔ سراج الدین خان آرزو کی وفات کا سال شیرانی نے ۱۱۲۹ھ دیا ہے (''مقالات''، ج۸، ص ۱۳۳)جو یقیناً سہوِ کتابت ہے بلکہ ۱۱۶۹ کی تقلیب ہے کیونکہ یہ طے ہے کہ آرزو نے۱۱۵۶ھ میں ''غرائب'' کی اصلاح کی (ملاحظہ ہو مندرجہ بالاحاشیہ)۔ نیز عرشی صاحب نے بھی آرزو کا سال وفات ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۶ء دیا ہے، دیباچہ، ص ۵۴۔ جالبی صاحب نے آرزو کی تاریخ ولادت اور وفات کے مادے بھی دیے ہیں جن سے مذکورہ سنین برآمد ہوتے ہیں، ج۲،ص۱۷۶۔۱۷۷(حاشیہ)۔

۷۰۔ عبداللہ، مقدمہ،ص۱۷۔

۷۱۔ ایضاً؛نیز ہاشمی،۱۹۹۲ء،ص۳۸،۳۹۔

۷۲۔ بچوں کے لیے لکھی گئی ایسی منظوم کتابیں بعد کے ادوار میں بھی ملتی ہیں جن میں نصف مصرع فارسی میں ہے اور نصف اردو میں ، مثلاً ۱۸۶۷ء میں مطبع انوار محمد(لکھنؤ) سے ''نظم عجیب'' کے عنوان سے شائع ہونے والی کتاب جس کے دو ایڈیشن چھپے۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں ایسی منظوم نصابی کتب بھی عام ہوگئی تھیں جو '' خالق باری '' اور ''گنج فارسی'' کے قبیل کی کتابوں کو ''جدید بنانے ''کے خیال سے لکھی گئیں اور ان میں انگریزی کے الفاظ بھی شامل کیے گئے ، مثال کے طور پر حاجی محمد اسمٰعیل خاں کی لکھی ہوئی ''نظم لغت'' جو ۱۹۱۰ء میں آگرہ کے عزیزی پریس سے چھپی۔ اسی طرح بشیر الدین احمد کی ''خالق باری''جس کے عنوان کے ساتھ قوسین میں درج ہے :''اردو انگریزی مع فرہنگ''۔یہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں شائع ہوئی۔اس قبیل کی کتابوں کی کثیر تعداداب بھی بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

۷۳۔ عبداللہ، مقدمہ ،لیکن جالبی صاحب کا خیال ہے کہ یہ لغت ہانسوی نے ابتدائی درجے کے طلبہ کے لیے لکھی تھی۔

ج ا،ص ۷۸،۶۳۹ ۔

۷۴۔ عبداللہ، مقدمہ، ص ۵ ۔ ۱۲

۷۵۔ ''زبدۃ الاسماء'' اور دیگر لغات کی تفصیلات کے لیے: عبداللہ، مقدمہ، نیز ہاشمی ۱۹۹۲ء، ص ۴۴ ۔ ۵۱

۷۶۔ ہاشمی، ۱۹۹۲ء، ص ۴۹ ۔

۷۷۔ ص ۴۳ ۔

فہرست اسنادِ محولہ

۱۔ احمد، سید سعید، مترجم، ۱۹۷۵ء، دیباچہ ''فارسی لغت نویسی کی تاریخ''، مصنفہ آقای محمد علی، مشمولہ ''اردو'' کراچی، جولائی ۔ ستمبر۔

۲۔ احمد، نذیر، ۱۹۹۷ء، ''فرہنگ قواس کا ایک جعلی نسخہ''، مشمولہ ''تحقیق''، جام شورو، شمارہ ۱۰/۱۱۔

۳۔ ۔۔۔۔۔، ۱۹۹۲ء، ''فرہنگ قواس کا نسخۂ کراچی اور اس کے ذیلی حاشیے''، مشمولہ ''تحقیق''، جام شورو، شمارہ ۶

۴۔ ۔۔۔۔۔، ۱۹۶۷ء، الف، ''قدیم فارسی فرہنگوں میں اردو عناصر (ادات الفضلاء)''، مشمولہ ''اردو'' کراچی، اکتوبر۔

۵۔ ۔۔۔۔۔، ۱۹۶۷ء، ب، ''قدیم فارسی فرہنگوں میں اردو عناصر (زفان گویا)''، مشمولہ ''اردو''، کراچی، جولائی۔

۶۔ امروہوی، افسر، ۱۹۷۵ء، ''خالق باری عرف نہیں اصل نام ہے''، مشمولہ ''اردو''، کراچی، شمارہ ۴، بیاد خسرو۔

۷۔ آرزو، مختار الدین احمد، ۱۹۴۳ء، ''خالق باری کے طرز کے تین بہاری مخطوطات''، مشمولہ ''اردو''، دہلی جنوری۔

۸۔ باقر، ڈاکٹر محمد، ۱۳۳۷ ف، مقدمہ، فارسی، ''مدار الافاضل''، لاہور، دانش گاہ پنجاب۔

۹۔ ۔۔۔۔۔، ۱۹۷۲ء، ''اردوے قدیم: دکن اور پنجاب میں''، لاہور، مجلس ترقی ادب۔

۱۰۔ بلوچ، نبی بخش خاں، ۱۹۵۲ء، ''مسلم بنگال کے فارسی ادب کی ایک اہم تصنیف: کتاب شرفنامۂ احمد منیری''، مشمولہ ''اردو''، کراچی، اکتوبر۔

۱۱۔ بلوخ مین، اے، (Blochmann. A) ۱۸۶۸ء، 'Contributions to Persian lexicography'، مشمولہ Journal of the Asiatic Society، شمارہ ۱۔

۱۲۔ جالبی، جمیل، ۱۹۸۴ء، ''تاریخ ادب اردو''، ج ا، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم۔

۱۳۔　۔۔۔۔۔، ۱۹۸۲ء، ''تاریخ ادب اردو''، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول۔

۱۴۔　خان، غلام مصطفیٰ، ۱۹۶۰ء، '' فارسی پر ارد کا اثر''، حیدرآباد، سندھ۔

۱۵۔　ڈار، ابراہیم، ۱۹۵۰ء، ''گوجری اور اردو زبان کی نشوونما میں اہل گجرات کا حصہ''، مشمولہ ''اردو'' کراچی، اکتوبر۔

۱۶۔　سبزواری، شوکت، ۱۹۹۷ء، ''قادر نامۂ غالب: غالب کی زندگی میں شائع ہونے والے تین ایڈیشن''، مشمولہ ''تحقیق'' (جام شورو)، شمارہ ۱۱/۱۰۔

۱۷۔　شیرانی، حافظ محمود، ۱۹۸۱ء، ''پنجاب میں اردو''، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو۔

۱۸۔　۔۔۔۔، ۱۹۴۴ء، دیباچہ '' حفظ اللسان معروف بہ خالق باری''، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند۔

۱۹۔　۔۔۔۔، ۱۹۸۷ء، '' مقالات حافظ محمود شیرانی '' ، ج ۱، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم

۲۰۔　۔۔۔۔، ۱۹۸۷ء، '' مقالات حافظ محمود شیرانی ''، ج ۲، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم

۲۱۔　۔۔۔۔، ۱۹۷۰ء، '' مقالات حافظ محمود شیرانی '' ج ۵، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول

۲۲۔　۔۔۔۔ ۱۹۷۲ء، '' مقالات حافظ محمود شیرانی '' ، ج ۶، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول

۲۳۔　۔۔۔۔، ۱۹۸۵ء، '' مقالات حافظ محمود شیرانی '' ، ج ۸، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول

۲۴۔　شینٹرل، گلنس (Shantrell, Glynnis)، ۲۰۰۳ء *The Oxford essentail dictionary* **of** *word histories'*، نیویارک، برکلے بکس۔

۲۵۔　صدیقی ابواللیث، ۱۹۷۰ء، ''ادب و لسانیات''، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ۔

۲۶۔　عبدالحق، مولوی، ۱۹۶۱ء، ''قدیم اردو''، کراچی، انجمن ترقی اردو۔

۲۷۔　عبداللہ، ڈاکٹر سید، ۱۹۶۵ء، ''مباحث''، لاہور، مجلس ترقی ادب۔

۲۸۔　۔۔۔۔، ۱۹۹۲ء، مقدمہ ''نوادر الالفاظ''، مصنفہ سراج الدین علی خان آرزو، کراچی، انجمن ترقی اردو، اشاعت ثانی۔

۲۹۔　عرشی، امتیاز علی خاں، ۱۹۴۳ء، دیباچہ، ''دستور الفصاحت''، رام پور۔

۳۰۔　عقیل، معین الدین، ۲۰۰۸ء، ''اردو تحقیق: صورت حال اور تقاضے''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان۔

۳۱۔　فاروقی، نثار احمد، ۱۹۹۸ء، دیباچہ، ''اردو لغت نویسی کا پس منظر''، مصنفہ مسعود ہاشمی ، دہلی۔

۳۲۔　قادری، حکیم سید شمس اللہ، ۱۹۶۳ء، ''اردوے قدیم ''، کراچی، جنرل پبلشنگ ہاؤس، طبع دوم۔

۳۳۔　قریشی، وحید، ۱۹۸۶ء، ''اردو نثر کے میلانات''، لاہور، مکتبۂ عالیہ۔

۳۴۔　کرسٹل، ڈیوڈ، ۱۹۸۷ء، (Crystal, David)، *'The Cambridge encyclopedia of language'*، کیمرج، کیمرج یونیورسٹی۔

۳۵۔　مالک رام، ۱۹۹۷ء، ''قادر نامے کا مصنف''، مشمولہ ''تحقیق''، جام شورو، شمارہ ۱۱/۱۰۔

۳۶۔　محمد علی، آقای، ۱۹۷۵ء، ''فارسی لغت نویسی کی تاریخ''، مترجم سید سعید احمد، مشمولہ ''اردو''، کراچی،

جولائی۔ستمبر۔

۳۷۔ ندوی،سید سلیمان،۱۹۶۷ء،" نقوش سلیمانی"،کراچی،اردو اکیڈمی سندھ،طبع دوم۔

۳۸۔ ندوی،نجیب اشرف،۱۹۶۲ء،مقدمہ "لغات گجری"،بمبئی،ادبی پبلشرز۔

۳۹۔ نقوی،شہریار،۱۳۴۱ء،ف،"فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان"، فارسی،تہران،چاپ خانۂ دانش گاہ

۴۰۔ ہاشمی،مسعود،۱۹۹۸ء،"اردو لغت نویسی کا پس منظر"،دہلی،مطبوعہ مصنف،طبع دوم۔

۴۱۔ ۔۔۔۔،۱۹۹۲ء،" اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ"،دہلی،ترقی اردو بیورو۔

Abstract

'Early Urdu lexicography and bilingual versified dictionaries'

By Rauf Parekh

Though Urdu lexicography does not have too long a history, it has passed through certain early and preparatory phases. The earliest phase of Urdu lexicography began around late 13th or early 14th century AD with the appearance of local words in some Persian dictionaries compiled in the Indo-Pak sub-continent. With the compilation of bilingual versified dictionaries began the second phase in, arguably, the 16th century. These bilingual versified dictionaries were intended for students as word lists or learner's dictionaries. These dictionaries explained the Persian words in Urdu or the other way round.

A bilingual versified learner's dictionary was called ' nisab nama'. Later, multi-lingual 'nisab namas' were compiled which enlisted Urdu, Arabic, Persian and, at a later stage, English words as well. The basic aim of such 'nisab namas' was to help students understand the unfamiliar and difficault words and increase their Persian and Arabic

vocabularies.

This paper tries to resent an overview of early Urdu lexicography with a especial reference to bilingual versified dctionaries or 'nisab namas' compiled in the early period of Urdu lexicography. The paper also surveys the ways in which 'nisab namas' affected the course of history of Urdu lexicography and the dictionaries that were to be compiled in the later era.